مطبوعات

دستۂ گل : از فاضل عثمانی۔ مقام اشاعت ۲۹۱ ' اے بلاک' گلی ۶ شیر شاہ کالونی' کراچی نمبر ۲۸ ۔ سفید کاغذ ہے۔ ۱۲۸ صفحات' ٹائیٹل آرٹ کور بہت ہی خوشنما' قیمت ۲۸ روپے۔

نعت کا یہ دس پندرہ سال سے پھیلا ہوا دور' میرے لیے یوں باعث مسرت ہے کہ میرے جریدے ماہنامہ سیارہ نے ۱۹۶۲ء سے اس کی تشکیل میں حصہ لیا ہے۔ ہم نے اس وقت نعتیں شائع کیں جب ادبی پرچے تو کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور آج میں دیکھتا ہوں کہ کمیونسٹوں کے رسالوں میں بھی حمد و نعت کے صفحات ہوتے ہیں۔ **اَنَّا نَاتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا** (آیت میں تحریک اسلام کے مخالفین مکہ سے کہا گیا تھا کہ ہم تمہارے علاقے کی طرف اس کے گردوپیش کے رقبے اور فاصلے قطع کرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں۔)

فاضل عثمانی کو میں نے محبت سے پڑھا' کیونکہ محسوس کیا کہ ان کے دل میں حضورؐ پاک کے لیے خلوص و محبت کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔

شعرو شاعری میں تو بات نہیں کرسکتا' البتہ ایک بات میں نے یہ نوٹ کی کہ فاضل عثمانی نے بحروں کا انتخاب اور قافیہ و ردیف کا تعین خوبصورتی سے کیا ہے۔ یہ شاعر کے لیے اچھے مستقبل کی علامت ہے۔

پہلی نعت خاص طور پر مجھے پرکشش محسوس ہوئی کہ حضورؐ کے جسمانی پیکر سے بلند تر چیزوں کو لیا گیا ہے اور رسمیت کی پروا نہیں کی گئی۔

ایک مطلع ہے ۔

صبح خنداں ہوئی' شام تاباں ہوئی آپ سے رونق بزم امکاں ہوئی

دو تین شعر۔

نہ تھی قید کچھ کشت زرخیزی تک کہ بنجر زمینوں پہ مینہ ان کا برسا
ادھر ان کی گفتار معجز نما تھی ادھر ان کا کردار تھا حیرت افزا
مدینے میں بکھرا ہوا ہر طرف ہے تیرے خلق کا فیضِ عام اللہ ' اللہ

آخر میں خلفائے راشدین کی شان میں منقبتیں بھی ہیں۔ یعنی تھوڑی سی جھلک وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ میں سے سرکردہ اکابر کی۔

کہیں کہیں جوشِ اظہار و جذبۂ بے تاب کے وفور سے بحر میں خلل رہ گیا ہے' بعض جگہ تلفظ کا معاملہ ہے' ممکن ہے کہ عاجلانہ کتابت سے ایسے تسامحات رہ گئے ہوں۔ مگر شاعری' خصوصاً نعت کی کتابت و طباعت اور خود مسودوں کی نظرثانی نہایت ضروری ہے۔

(ن - ص)

میزانِ اقبال : پروفیسر مرزا محمد منور ڈائریکٹر اقبال اکیڈیمی (پاکستان) ۱۳۹۔ اے نیو مسلم ٹاؤن لاہور۔ ناشر : خود مرزا صاحب موصوف۔ سفید دبیز کاغذ۔ ۲۳۲ صفات کی کتاب' مجلد مع سادہ ' رنگین گرد پوش۔ قیمت ۵۵ روپے۔

اس میں کیا شک ہے کہ مرزا منور مدرسۂ اقبالیات کے بہت پرانے طالب علم ہیں' آغاز ۱۲' ۱۳ برس کی عمر میں ہوا' اور پھر پورے تعلیمی دور فرائض میں بھی ایک طرف حکیم الامت سے استفادہ کرتے رہے اور دوسری طرف اس سیلِ معانی کو جُو کی طرح باریک تر بنا کر نوجوان طلبہ کے ذہنوں کی آبیاری کرتے رہے۔ کیا معلوم مرزا محمد منور صاحب کی محنتوں کے نتیجے میں اقبال شناسی کے کتنے ہی چلتے پھرتے چمنستان ہر طرف پھیلے ہونگے۔ پھر تقاریر ہوں یا تحریریں' اقبال کے نظریہ خودی اور اقبال کے مردِ مومن اور اقبال کے تصورِ شاہین کا پس منظر رکھتی ہیں۔

میزانِ اقبال کا اصل مبحث یہ ہے کہ یہ شاعر حکمت و صداقت جزوی حقائق و اشیاء میں کسی ایک طرف نہیں لڑھک جاتا بلکہ کلیت کے مقام پر اپنی دوبین شعور نصب کیے کائنات وحیات کی مجموعی یا توحیدی حقیقت کا مطالعہ کرتا اور پھر اس کا درس بذریعہ شعر ساری انسانیت کو دیتا ہے۔ اقبال کے اس شعر کو اگر فرسودہ تصور وحدت الوجود میں نہ ڈبو دیا جائے تو یہ وحدت وجود کا نہیں بلکہ وحدت نظم وجود کا آئینہ دار ہے۔

حقیقت ایک ہے' ہر شے کی نوری ہو کہ ناری ہو لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

یعنی تمام کے تمام موجودات جن قوانین میں بندھے ہوئے ہیں' مثلاً وجود' عروج' زوال اور فنا' یا گردش' کشش' مزاحمت' حرکت' روشنی' حرارت' تاریکی' یا فطرت کے خراد پر ان کا ایک خاص طرح کا چھل چھلا کر تکمیل پانا اور رتبۂ جمال تک پہنچنا' قانونِ نشوونما' ہر وجود اور حرکت کے لیے مقصد و غایت کا تعین' اور جمادات' نباتات حیوانات اور خصوصاً انسان کے لیے داخلی نظامِ دفاع اور خارجی آلات و قوائے دفاع' یہ چیزیں گواہ ہیں کہ ساری کائنات ایک نظامِ قانون کے تابع ہے' اس قانون کا ایک ہی مقنن ہے اور ہم سب ایک ہی خاندانِ مخلوق کے افراد ہیں۔

ماہمہ یک دودمانِ نارونور آدم و مہرو مہ و جبریل وحور

اسی حقیقت کو اپنے انداز سے نمایاں کرنے کے لیے محترم محمد منور صاحب نے علامہ اقبال کی شاعری میں " توازن کے پہلو کو کتاب کے مرکزی مضمون کی حیثیت سے لیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک ایسا جادۂ فکر اپنے لئے چنا ہے جس کی کمی کا پورا ہونا ضروری ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ہر شے آئین تناسب و توازن کی پابند ہے۔ " ..... توازن و تناسب فقط جسمانی ڈھانچے ہی کے لیے ضروری نہیں' تخیل و فکر کے لیے بھی ضروری ہے۔ "

تشریحاً" بیان کرتے ہیں کہ (علامہ اقبال) " جمہوریت کی اچھی باتوں کے قائل ہیں' مگر جب وہ استعماری روپ دھارتی ہے یا دو صد مغز خر کے شمار ہی کو معیار دانش قرار دیتی ہے تو وہ اسے معاف نہیں کرتے۔ وہ اشتراکیت کی اچھی باتوں کی تعریف کرتے ہیں مگر اسکی خداشناشی اور احترام روح آدمیت سے نا آگاہی پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں . . . ان کا یہاں آزادی افکار کو تقلید اور تقلید کو آزادیٔ افکار درکار ہے۔ " فارسی کے دو شعر لکھے ہیں :

از کلیمے سبق آموز کہ دانائے فرنگ جگرِ بحر شگافید و بہ سینا نہ رسید

اقبال کی فکری و فنی وسعتِ نظر کا سبب ان کی وسعتِ مطالعہ تھا۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری کا جملہ بہت اچھا ترجمانِ فن ہے علامہ کا کہ " اقبال پتھر کی بھاری چٹانیں اٹھالاتے ہیں مگر موتیوں کی طرح جڑ دیتے ہیں۔ "

پروفیسر منور صاحب نے اقبال کے مردِ مومن کے متعلق ضربِ کلیم کے چار اشعار پیش کر کے بتایا ہے کہ انسانی شخصیت کے توازن کے کیا تقاضے اقبال کے سامنے ہیں۔ یہی ضرورت قرطبہ کے مردان حق کے تذکرے کی ہے جو صرف ایک شعر میں کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث ہے اور ہر سطر کو زیر توجہ لانے کا شوق بھی' مگر مجبوری !

دوسری قیمتی بحث پہلے مقالے میں ہے' یعنی کلام اقبال پر عربی ادب کے اثرات' مرزا صاحب

کا عربی میں خاصا وسیع مطالعہ ہے' خصوصا شعروادب اور تاریخ میں۔ سو وہی اقبال کو پڑھتے ہوئے یہ جان سکتے تھے کہ اقبال کی شاعری کی نبض میں عربیت کا کیا اثر ہے۔ عربی کے اشعار اور آیات کا جو اثر کلام اقبال میں ہے' اسے واضح کرنے کے لیے مرزا صاحب نے ایک طرف عربی اشعار اور اصطلاحات کی روشنی میں دکھایا ہے کہ کہاں کہاں اقبال کی فارسی یا اردو شاعری کے پردے میں عربی بول رہی۔ اسی طرح اقبال کا کلام سامنے رکھ کر دکھایا ہے کہ اس میں حجازی لے کا ہونا کن علامات سے ثابت ہے۔ فاضل مقدمہ نگار ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے بھی اس باب پر توجہ صرف کی' اور کہا کہ کسی بھی زبان میں ہو (فارسی یا اردو) اقبال کے مطالب کی روح ہمیشہ عربی رہی۔ وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عربی شاعری میں اور عربی سے متاثر ہونے والی شاعری میں ضعف' مسکینی اور نسائیت کبھی نہیں آئی' اور پھر اقبال کا یہ کہنا کہ لے تو حجازی ہے مری' اس کے دو مفہوم ہیں : ایک یہ کہ کلام میں اسلامی روح شامل ہے' اور نوا کے اندر چھپی ہوئی عربیت بھی !

ڈاکٹر سید عبداللہ کے اس خلاصہ کلام سے زیادہ بہتر تبصرہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔

تیسرا باب بھی بہت اہم ہے۔ کلام اقبال میں عجم کا مفہوم۔ بڑی جامع بحث اور ضروری افکار اور اقتباسات ہیں۔ اس طرح علامہ اقبال کی اردو غزل اور علامہ اقبال کی نظم نگاری' علامہ اقبال کا شعری آہنگ اور ضرب کلیم جیسی بحثوں کو گفتگو میں لائے بغیر آگے گزر جانا بہت تکلیف دہ ہے۔ مگر جو تکلیفیں مقدر ہیں سو بسرو چشم

علامہ اقبال کو جوش ملیح آبادی کی نظروں کے واسطے سے دکھانا ایک فنی موضوع ہونے کے لحاظ سے تو برا نہیں' مگر جوش نہ اس طرز فکر کا شاعر ہے اور نہ اس سطح کا کہ اسے اقبال کے ساتھ بٹھایا جائے۔ ویسے جو کاوش پروفیسر صاحب نے کی وہ بجائے خود اہم ہے۔ البتہ ابوالاثر حفیظ جالندھری کو حضورِ اقبال میں دکھانا اس بنا پر درست ہے کہ حفیظ چاہے کیسی کیسی پگڈنڈیوں پر گزرتے رہے ہوں' بالآخر اس کی شاعری کا وزن فکری لحاظ سے اسی پلڑے میں پہنچا جو اقبال کے نام سے موسوم تھا۔ علامہ اقبال کے بعد جو بیسیوں شاعر اس کے نقوش قدم پر چلنے والے تھے ان میں مولینا ماہرالقادری' احسان دانش اور ابوالاثر حفیظ جالندھری کا مرتبہ خاصا بلند ہے۔

کتاب کے آخر میں اشاریہ ہے' پہلے اسماء الرجال کا' پھر کتب و رسائل کا' پھر اماکن کا' پھر اصطلاحات کا۔

" اقبالیات " کے لٹریچر میں یہ کتاب ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ (ن - ص)

رحمتِ یزداں : از جناب طفیل ہوشیاپوری مرحوم۔ ناشر: صادق علی صادق، ملنے کا پتہ احسان اکیڈمی، شیخ بلڈنگ، رائل پارک لاہور۔ آرٹ پیپر پر کتاب کی طباعت دو رنگوں میں۔ سنہری ڈائی کے ساتھ مضبوط جلد، ہدیہ فی جلد ۱۵۰ روپیہ

ابھی چند ہفتے قبل اسی سال جناب طفیل ہوشیارپوری اپنی "محفل" ادب (رسالے کا نام محفل تھا) اور قدر شناسوں کو چھوڑ چھاڑ کر مادی دنیا کی سرحدوں سے باہر چلے گئے۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔**

مرحوم نہ صرف عمر بھر ادب کی خدمت میں مصروف رہے اور بڑی پاکیزہ شاعری کی بلکہ علی الخصوص نعت کہنا، نعت کہلوانا اور نعت چھاپنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ یہ بزرگ شخصیت مشاعروں میں شریک ہوتی تو نہایت بلند آہنگی اور لے کی کیفیت ایسی ہوتی کہ شاعر اس میں خود بھی بہ جاتا اور محفل کو بھی بہا لیتا۔

طفیل مرحوم کی شخصیت اور شاعری و صحیفہ نگاری کا وزن لادینیت پسندوں کے خلاف خدا پرستی اور محبت اور رسالتؐ کے پلڑے میں جاتا۔

پیش لفظ مسٹر جسٹس میاں محمود احمد چیف جسٹس پنجاب ہائی کورٹ کا لکھا ہوا ہے۔ پھر ہوشیار پوری کی نعت نگاری کے متعلق جناب احمد ندیم قاسمی کا مختصر تاثر ہے، پھر ہمارے کرمفرمائے خاص جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے جناب طفیل کی نعت نگاری کا اچھا جائزہ لیا ہے۔

طفیل صاحب بڑے کامل الفن آدمی تھے۔ بقول ڈاکٹر صاحب طفیل نے بھی غزلیہ لب و لہجے اور طویل نظموں کے تجربات میں اپنی اصل آواز ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خالص عشقیہ لَے میں رومانی رویوں کا بھی خوب تر اظہار کیا ہے۔ وطنی نظموں میں حب وطن کی داستان رقم کی ہے۔ ان کے گیت، ان کے ذوق موسیقی اور ہندی دانی کے امتزاج کا مظہر ہیں۔ گیت کے سانچے میں ایک نعت کا بول ۔

آمنہ کے لالنا

جانے تیرا دوار کب ہو گا میرے بھاگ میں
سایہ کالی کملی کا کملی پہ ڈالنا

آمنہ کے لالنا

آخرکار اپنی ذات کا کشف ان پر نعت ہی کے کلام میں ہوا۔

طفیل بتاتے ہیں کہ "علامہ اقبال' مولینا ظفر علی خاں' حسرت موہانی اور بیدم وارثی کے کلام نے میرے ذوق و شوق کی تربیت کی اور پھر دل میں یہ جذبہ زور پر آگیا کہ

" زندگی مدح پیمبرؐ میں بسر ہو یا رب "

نعت کی ہی برکت سے طفیل ہوشیار پوری کو جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں عمرہ کرنے کی سعادت ملی۔ نوید' اظہر عباس ہاشمی نے سنائی' نیز اس سفر مبارک میں کلیم عثمانی آپ کے ہمراہ تھے۔ محمد خاں کلیم اور مقبول سرمد نے اس مجموعہ نعت کی ترتیب خاص میں حصہ لیا۔

چند اشعار۔

سمجھا تجھے تو نکلا رگ جان سے بھی قریب دیکھا تجھے تو دور ہے حد شعور سے (حمد)

کن کے لباس میں جو لب حق پہ آ گئی اس سرسری سی بات کا باعث تمہیں تو ہو (نعت)

جنہوں نے مصطفیٰ کے اسوۂ حسنہ کو اپنایا انہی کے ہاتھ آیا عظمت کردار کا دامن

عشق کی دولت بیدار عطا کر مولیٰ کہیں ڈس لیں نہ خرد کے یہ اجالے مجھ کو

باطل کے خداؤں کو صداقت کے مقابل ہوتی نہ کبھی مات' اگر آپؐ نہ آتے

نظروں پہ چھا نہ جائے زمانے کی تیرگی تھوڑی سے روشنی' مری سرکارؐ چاہیے

بہت جاندار شاعری ہے۔ نعت نے اسے نسبت ادا کر دی ہے' کاغذ اور دو رنگا بلاک پرنٹنگ نے اسے نظر نواز بنا دیا ہے۔ اہل ذوق استفادہ کریں۔

(ن - ص)

انوار اولیاء اللہ : مولفہ : پروفیسر سعید اختر۔ ناشر: محمد یوسف' مجید بک ڈپو' اردو بازار' لاہور۔ اسٹاکسٹ : المنشورات بک ڈپو' منصورہ ' ملتان روڈ لاہور۔ بڑے سائز کے ۲۴۰ صفحات۔ کاغذ سفید' سرورق دبیز آرٹ کارڈ۔ قیمت ۴۸ روپے۔

نظامِ خلافتِ راشدہ ایک ایسا بندھن تھا جس نے دین کے تمام شعبوں کو یکجا و یک آہنگ کرکے ایک عظیم الشان تہذیب خدا پرستانہ اخلاقی قدروں کی بنیادوں پر استوار کی اور لمبے دور انحطاط و افتراق کے باوجود اس تہذیب کے نقوش' اس کی انوار اور اس کے اقدار دنیا کے بعید ترین گوشوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر خلافت راشدہ کا بندھن جب ٹوٹا تو ایک طرف دین وسیاست میں علیحدگی واقع ہوئی' عقلی علوم اور تصوف کے دھارے الگ ہوگئے اور ترک دنیا اور

دنیا پرستی کے دو رجحان' بالکل نمایاں ہوکر سامنے آگئے۔ وہ سب عوامل فلاح جو ایک ہی نسخہ سے تیار شدہ محلول و مشروب کے اندر حل تھے' بعض خوفناک تخریبی فتنوں کی وجہ سے نسخۂ شفا کے تمام اجزا الگ الگ ہوگئے اور کوئی نہ رہا جو دوبارہ ان کو ایک ساغر میں جمع کردے۔

سو یہ دین کے اندر (تقسیم کاری نہیں) بلکہ تفرقہ انگیزی کی ایک ایسی تاریخی مجبوری تھی کہ دوسرے شعبوں کی طرح تزکیۂ نفوس کا جو پروگرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا وہ اپنی اصل سے کٹ کر نئی شکلوں میں تصوف کے عنوان سے پروان چڑھا۔ تصوف میں اسلامی جزوِ حقیقت صرف اتنا ہے کہ آدمی کا نفس اور قلب ان مفاسد سے پاک ہو جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دور کیا اور اس کام کے لیے طریقے بھی مقرر کیے۔ لیکن بعد میں تزکیۂ نفس کی جگہ تصوف کا عنوان تجویز کیا گیا اور اس کی ایک شاخ نے اپنی اصطلاحِ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔ وحدت الوجود کے بجائے سیدھی طرح توحید کو اختیار کیا۔ انفاق کی اور خدمت کی اسپرٹ لوگوں میں پیدا کی' ان کو دنیا پرستی سے روکا جس کے نتیجے میں اکثر لوگ غلو کی وجہ سے ترک دنیا اور ترک دولت کی راہ پر چلے نکلے اور انہوں نے سیاست و جہاد اور علوم و اجتہاد کے تمام دروازے بند کردیئے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے نئی اصطلاحات کے ساتھ' تصور شیخ' چلہ کشی' اعتکاف اور اجتماعی ذکر جہر اور جنت کے حصول سے بے نیازی اور ذات احدیت میں گم ہوجانے اور کاملاً" فنا ہوجانے کو منتہائے بنو شاد ولایت سمجھا۔

یہ تو خود ایک مضمون ہے اسے چھوڑ کر ہم پروفیسر سعید اختر صاحب کو اس کوشش پر داد دیتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی کریمؐ اور خلفائے راشدین اور بہت سے قدما اور بیسیوں متاخرین کی تحریروں اور ملفوظات سے ایک ایک دو دو جملے ایسے لکھے ہیں جو بڑی افادیت رکھتے ہیں۔ نیز یہ امر خاص توجہ طلب ہے کہ ان کے منتخب "اولیاء" حضرات کے ہاں توحید اور پابندی شریعت کی تاکید پائی جاتی ہے۔ خصوصاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ کے بعض عقیدت مند ان پر بدعتوں کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ توحید اور جہاد کا درس دینے والا درویش مقبول ایسا کوئی کم ہی ہوا ہوگا۔

(ن - ص)